تعمیرِ کعبہ

مؤلف

محمد نصیر قریشی

ناشران

جاوید اکیڈمی پوسٹ بکس نمبر ۱۳۷۷ لاہور

تعمیرِ کعبہ

مؤلف

محمد نصیر قریشی

ناشران

جاوید اکیڈمی پوسٹ بکس نمبر ۱۳۷۷ لاہور

نوٹ

○ "اس کتاب میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث مبارکہ کے عربی متن کی بجائے احتراماً صرف تراجم نقل کر دینے پر اکتفا کیا گیا ہے"۔

سببِ تالیف

اس عاصی کو زیارت حرمین شریفین کی سعادت عظمےٰ نصیب ہوئی تو واپسی پر میرے ایک محترم دوست جو ایک ہفت روزہ اخبار کے مدیر ہیں تشریف لائے دوران گفتگو انہوں نے مختلف النوع سوالات کئے۔ جن کا جواب اسی ایک محفل میں دینا دشوار تھا۔ بنابریں یہ طے پایا کہ یہ ناچیز دوران حج اپنے مشاہدات قسط وار مضامین کی صورت میں انہیں مہیا کرتا رہے گا چنانچہ اس پروگرام پر کافی عرصہ عمل ہوتا رہا اور مضامین سفرنامہ کی شکل میں شائع ہوتے رہے۔ اس سفرنامہ کے مضامین کی تحریر جب خانہ کعبہ تک پہنچی تو مشاہدات کی بجائے مطالعہ پر انحصار کرنا پڑا۔ مطالعہ کے دوران سفرنامہ کے مضامین معطل رہے۔

اپنی بساط میں جب تعمیر کعبہ کے موضوع پر مواد فراہم کر چکا اور اتنے عرصہ مضامین کا سلسلہ منقطع رہا تو ارادہ ہوا کہ حصول ثواب کی خاطر اپنی اس کوشش کو کتابی شکل دے کر شائع کر دوں۔ جو کچھ بھی ہے اور جیسا بھی ہے حاضر ہے

عرضِ مؤلف

مجھے بصد عجز یہ اعتراف ہے کہ میں نہ عالم باعمل ہوں اور نہ ہی کسی دینی درسگاہ سے کوئی فضیلت کی سند حاصل کی ہے۔ بس واجبی سا پڑھا لکھا ہوں

اس لئے قارئین کرام یہ ہرگز توقع نہ رکھیں کہ یہ کوئی بلند پایہ علمی تصنیف ہے مجھے جہاں سے کوئی چیز ملی اور میرے ناقص دماغ نے قبول کی اسے احاطہ تحریر میں لے آیا۔ یہ مشہور ہے کہ ہر مؤلف یا مصنّف ہدفِ تنقید بنتا ہے۔ میں نے حتی المقدور اختلافی مسائل کو چھوا تک نہیں۔ اس کے باوجود اگر کسی صاحبِ علم کو کہیں اختلاف ہو تو اصلاح کی خاطر اس ناچیز کو مطلع فرما کر شکر گزاری کا موقعہ بخشیں۔

اس کتابچہ کا نام "تعمیر کعبہ" تجویز کیا گیا ہے۔ مگر چونکہ کعبہ کے ساتھ ساتھ اس کے متعلقات کا ذکر لازم ہے۔ اس لئے کوشش کی گئی ہے کہ چاہِ زمزم صفا مروہ یا دیگر شعائر اللہ کا تذکرہ مناسب مواقع پر آجائے۔

اللہ جلّ شانہٗ مجھ ناچیز کی اس حقیر سی کوشش کو قبول فرمائے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ وہ مؤلف اور اس کے مرحوم والدین کو دعائے خیر سے یاد فرماویں۔

محمد نصیر

فہرس ابواب و مندرجات

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
۱	باب اوّل	خانہ کعبہ کی تعمیر اوّل	۱۰
۲		خانہ کعبہ کی تعمیر دوم	۱۰
۳		خانہ کعبہ کی تعمیر سوم	۱۱
۴		عرفات	۱۲
۵		حجرِ اسود	۱۲
۶		رکن یمانی	۱۳
۷		خانہ کعبہ کی چوتھی تعمیر	۱۵
۸	باب دوم	صفا و مروہ	۱۶
۹		زمزم	۱۹
۱۰		آبِ زمزم کے فضائل	۲۱
۱۱		ذبیح اللہ کی وجہ تسمیہ	۲۲
۱۲		مقام ابراہیم	۲۵
۱۳		خانہ کعبہ کی پانچویں تعمیر	۲۶

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
۱۴		نقشہ ابراہیمی تعمیر	۳۲
۱۵		حطیم	۳۲
۱۶	باب سوم	بیت اللہ کی چھٹی تعمیر	۳۶
۱۷		بیت اللہ کی ساتویں تعمیر	۳۶
۱۸		بیت اللہ کی آٹھویں تعمیر	۳۷
۱۹		اصحاب فیل	۳۸
۲۰	باب چہارم	خانہ کعبہ کی نویں تعمیر	۴۶
۲۱		غلافِ کعبہ	۵۳
۲۲		میزابِ رحمت	۵۵
۲۳	باب پنجم	کعبۃ اللہ کی دسویں تعمیر	۵۷
۲۴		کعبۃ اللہ کی گیارھویں تعمیر	۵۹
۲۵		کعبۃ اللہ کی بارھویں تعمیر	۶۱
۲۶		کعبۃ اللہ کی تیرھویں تعمیر	۶۱
۲۷	باب ششم	بیت اللہ کی چودھویں تعمیر	۶۲
۲۸		بیت اللہ کی پندرھویں تعمیر	۶۳

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
۲۹	باب ہفتم	موجودہ خانہ کعبہ معہ متعلقات	۶۵
۳۰		ملتزم	۶۶
۳۱		نقشہ کعبہ شریف	۶۷
۳۲		معجن	۶۸
۳۳		ممبر	۶۸
۳۴		کتب استفادہ	۷۰
۳۵		تبصرہ	۷۱
۳۶		تعارف	۷۲

باب اوّل

خانۂ کعبہ کی تعمیرِ اوّل

بعض حضرات کا قول ہے کہ حق تعالےٰ شانہٗ کے امرِ کُن سے بیت المعمور میں جو ساتویں آسمان پر فرشتوں کی عبادت اور طواف کے لئے ایک مسجد ہے خانۂ کعبہ کی تعمیر عالمِ وجود میں آئی۔ ہم اسی کو تعمیرِ اوّل کا درجہ دیتے ہیں۔

خانۂ کعبہ کی تعمیرِ دوم

ایک روایت میں ہے کہ بیت المعمور والی عمارت فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعمیر کی۔ دوسری روایت ہے کہ آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال قبل جہاں آج خانہ کعبہ کی عمارت ہے ایک جنتی عمارت خیمہ کی شکل میں تھی۔ جس کا فرشتے طواف کیا کرتے تھے۔ تیسری روایت ہے کہ یہ عمارت فرشتوں ہی کی تعمیر شدہ تھی۔ اگر بیت المعمور والی تعمیر کو فرشتوں کی تعمیر مان لیا جائے تو امرِ کُن والی تعمیر کی نفی ہوتی ہے جب بیت المعمور میں امرِ کُن والی تعمیر موجود تھی تو فرشتوں کی اُسی جگہ تعمیر کا کیا سوال تھا؟ اس طرح فرشتوں کی تعمیر زمین پر ہی ثابت ہوتی ہے۔ واللہُ اعلم بالصواب۔ اس تعمیر کو خانہ کعبہ کی دوسری تعمیر کا درجہ حاصل ہوا۔ جب کہ زمین پر یہ پہلی تعمیر ہوئی۔

خانہ کعبہ کی تیسری تعمیر

جب حضرت آدم علیہ السلام اور مائی حوّا جنت سے نکال کر دنیا میں بھیجے گئے اور ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے تو حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں اللہ کا پہلا گھر بنانے کا حُکم ہوا اور ساتھ ہی جنتی نشان کے طور پر خدا تعالےٰ نے حجرِ اسود عطا فرمایا۔ جو انہوں نے تعمیر کے وقت نصب کر دیا۔ دوسری روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بحکمِ خدا اس مقام پر پہنچے جہاں اب مکہ مکرّمہ ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی۔ یہ بنیاد بیت المعمور والے خانہ کعبہ کے عین نیچے سیدھ میں رکھی گئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام بہشت سے حجرِ اسود لائے اور اس میں نصب کر دیا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو حج اور طواف کے طریقے سکھائے۔ اُس کے بعد ایک پہاڑی پر سے

گئے اور حج ادا کرایا۔ اس وقت حضرت حوّا علیہ السلام بھی حضرت آدم علیہ السلام کی تلاش میں پھرتی پھراتی وہاں پہنچ گئیں اور حج میں شریک ہوئیں۔

عرفات

جس پہاڑی پر حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کو لے گئے تھے۔ جس کا ذکر اوپر ہوا ہے اس پہاڑی کا نام جبل عرفات ہے۔ یہیں پر حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا علیہ السلام کی ملاقات ہوئی تھی اور ایک نے دوسرے کو پہچانا تھا۔ اِس لئے اِس پہاڑی کا نام عرفات مشہور ہوا۔ اسی پہاڑی پر ان دونوں حضرات کی دُعا قبول ہوئی اور معافی ملی تھی۔ یہ دعا قرآنِ حکیم سورۃ اعراف میں مذکور ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

ترجمہ: اے رب ہمارے! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم نامرادوں میں سے ہو جائیں گے۔

حجرِ اسود

حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ حجرِ اسود جب جنّت سے دنیا میں اتارا گیا تو وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ آدمیوں کی خطاؤں نے اُس کو سیاہ کر دیا۔ دوسری حدیث جس کے راوی بھی، حضرت ابنِ عباس ہی ہیں یہ ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

قسم کھا کر ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ حجرِ اسود کو اللہ جل شانہٗ قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائیں گے کہ اُس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا اور گواہی دے گا اُس شخص کے حق میں جس نے اس کو حق کے ساتھ بوسہ دیا ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم جس کا ذکر مناسب مقام پر آگے آئے گا) جنّت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ اگر مُشرکین اُس کو نہ چھُوتے تو جو بھی بیمار خواہ کیسی ہی بیماری ہوتی جب اُس کو چھوتا تو تندرست ہو جاتا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حجرِ اسود جنّت کے پتھروں میں سے ایک پتھر ہے اگر گناہوں کی نحوست جو فاجروں کے چھُونے سے اُس سے وابستہ ہو گئی نہ ہوتی تو جو اندھا، کوڑھی یا کسی اور مرض کا بیمار اُس کو چھُوتا تو وہ تندرست ہو جاتا۔

اُوپر کی احادیث سے ثابت ہے کہ حجرِ اسود جو ایک سیاہ پتھر ہے اور جو خانہ کعبہ کے جنوب مشرقی کونہ میں نصب ہے۔ جنّت سے آمدہ ہے۔ خواہ حضرت آدم علیہ السلام لائے یا حضرت جبرائیل علیہ السلام لائے ہوں۔ اس کا استلام یعنی بوسہ دینا مستحب ہے۔

رُکنِ یمانی

خانہ کعبہ کے جنوب مغربی کونہ کو رُکنِ یمانی کہتے ہیں۔ اس کا استلام بھی مستحب ہے۔

حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کا استلام خطاؤں کو ساقط کرتا ہے۔ اس جگہ یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کا استلام اس طرح ہونا چاہیئے کہ جس میں دوسروں کو اذیت نہ پہنچے کیونکہ یہ فعل مستحب ہے اور مسلمان کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔

کعبہ شریف کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا یہ ارشاد کہ یہ چند پتھروں کا مکان ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے اس کو ہمارا قبلہ مقرر کر دیا کہ زندگی میں اس کی طرف نماز پڑھیں اور مرنے کے بعد اس کی طرف منہ کر کے لٹایا جائے۔ نیز حجرِ اسود کے متعلق کہ یہ ایک پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان اور اگر میں یہ نہ دیکھتا کہ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تجھے بوسہ دیا اور ہاتھ لگایا تو نہ بوسہ دیتا اور نہ ہاتھ لگاتا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں لوگوں کے عقائد کا بہت فکر و اہتمام رہتا تھا۔ مبادا عقیدہ میں کوئی لغزش ہو جائے اور ان پتھروں کو بھی بتوں کے پتھروں کے مشابہ سمجھ کر بُت پرستی کا شائبہ عود آئے۔ اِن کے ارشادات سے یہ ثابت ہے کہ کعبہ کا طواف تعمیلِ حکمِ خداوندی ہے اور حجرِ اسود کا استلام سُنّتِ محمّدیہ کی پیروی ہے اسی لئے جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ لوگ بیعت الرضوان والے درخت کے پاس برکت کے طور پر جاتے ہیں تو اُس کو کٹوا دیا تھا۔

ایک روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے خانہ کعبہ مندرجہ ذیل پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے تعمیر فرمایا تھا۔

۱۔ لبنان ۲۔ طورِ سینا ۳۔ طورِ زیتا
۴۔ جودی ۵۔ حرا

بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کا بنیادی حصّہ تعمیر کیا تھا۔ اس کے اوپر آسمان سے بیت المعمور نازل ہو کر رکھا گیا تھا۔ اُس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے وصال پر وہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ واللہُ اعلم بالصواب۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر تیسری تعمیر کا درجہ رکھتی ہے۔

خانہ کعبہ کی چوتھی تعمیر

چوتھی تعمیر حضرت شیث علیہ السلام کی بتائی جاتی ہے۔ یہ بھی نبی ہوئے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادہ تھے۔ یہ تعمیر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ تک قائم رہی۔ لیکن جب طوفان آیا تو تعمیر قائم نہ رہ سکی صرف ایک ٹیلہ سا رہ گیا۔

باب دوم

اس سے پیشتر کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کا تذکرہ کیا جائے مناسب معلوم دیتا ہے کہ کچھ ذکر دیگر شعائر اللہ کا کر دیا جائے ۔

صفا و مروہ

حضرتِ ہاجرہ علیہ السلام، حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی، دوسری بیوی اور "رقیون" یا "اخیون" بادشاہِ مصر کی بیٹی تھیں انہی کے بطن سے حضرتِ اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ پیدا ہوئے ۔ حکمِ خداوندی کی تعمیل میں حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ، حضرت بی بی ہاجرہ علیہ السلام اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ جو ابھی دودھ پیتے بچہ ہی تھے کو اُس جگہ پہنچا آئے جہاں اب بیت اللہ شریف واقع ہے اور کچھ پانی اور چھوہارے دے گئے ۔ یہ سامان خورد و نوش ایک دو روز میں ختم ہو گیا ۔ حضرتِ اسماعیل ذبیح اللہ پر جب پیاس غالب ہوئی تو وہ رو رو کر زمین پر ایڑیاں رگڑنے لگے ۔ اُن کی والدہ محترمہ بی بی ہاجرہ علیہ الرحمتہ، پانی کی تلاش میں اپنی نشیبی جگہ سے اٹھیں اور کوہِ صفا پر گئیں جو خانہ کعبہ سے قریب ہی واقع ہے تاکہ ذرا بلندی پر جا کر کسی آبادی یا پانی کا پتہ چلا سکیں ۔ جب وہاں پہ پانی نہ ملا تو وہ کوہِ مروہ کی طرف چلیں ۔ ان دونوں

پہاڑوں کے درمیان نشیبی جگہ پر پہنچیں تو بچہ دکھائی نہ دیا ۔ دوڑ کر فاصلہ طے کیا تاکہ بلندی پر پہنچ کر بچہ کو دیکھ سکیں ۔ مبادا کوئی جانور بچہ کو نقصان پہنچا جائے اسی طرح ان دونوں پہاڑوں کے درمیان سات چکر لگائے ۔ آج کل یہ دونوں پہاڑیاں تو نہیں البتہ اُن کی حدیں قائم ہیں ۔

زمزم

حضرت بی بی ہاجرہ علیہ الرحمتہ نے ابھی آٹھویں چکر کا ارادہ کیا ہی تھا کہ بچہ کے رونے کی آواز آئی ۔ دوڑ کر واپس پہنچیں تو اللہ کریم کا دریائے رحمت موجزن پایا ۔ جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام رونے کی حالت میں ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں سے پانی اُبل رہا تھا ۔ روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بحکم خداوندی اس جگہ ایڑی لگائی تھی حضرت ہاجرہ نے اِس خیال سے کہ پانی آس پاس بہہ کر ریتلی زمین میں جذب نہ ہو جائے ۔ پانی کے اِردگرد مینڈھ سی بنا دی اور بے تابانہ پھیلتے پانی کو "زم زم" کا حکم دیا ۔ جس کے معنی ہیں ٹھہر جا ٹھہر جا ۔ تب وہ چشمہ جاری ہوا ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگر بی بی ہاجرہ علیہ الرحمتہ اس اُبلتے پانی کو "زم زم" کا حکم نہ فرماتیں تو طوفانِ نوح علیہ السلام کا سا سماں بندھ جاتا اب تک صدیوں سے یہ چشمہ جاری ہے اور نہ صرف اہلِ مکہ بلکہ لاکھوں زائرینِ مکہ کو سیراب کر رہا ہے ۔ یہاں تک کہ زائرین اس متبرک پانی کو دنیا کے کونہ کونہ میں لے جاتے ہیں ۔ مگر وہاں کمی کا سوال تو کجا بہتات

ہی ہوتی جاتی ہے۔

یہ چشمہ یا کنواں جسے چاہِ زمزم کہتے ہیں اور اُس سے برآمد ہونے والے متبرک پانی کو آبِ زمزم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کے خانہ کعبہ تعمیر کرنے سے پیشتر عالمِ وجود میں آیا۔ مگر بعد میں آندھیوں اور گرد و غبار سے یہ چشمہ اَٹ گیا اور صدیوں تک معدوم رہا حتیٰ کہ رسولِ اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب کا دورِ اقتدار آیا تو انہوں نے دوبارہ کھود کر جاری کیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ انہیں مسلسل چار روز تک خواب میں چاہِ زمزم کے دوبارہ اجراء کے متعلق اشارات ہوتے رہے آخر آپ اپنے اکلوتے بیٹے حارث کو ساتھ لے کر خواب میں دکھائی گئی جگہ گئے۔ وہاں قریش کے سردارانِ خاص کہ عدی بن نوفل بن عبد مناف نے چاہِ زمزم کھودنے میں اُن کی مخالفت کر کے انہیں روحانی اذیّت پہنچائی اور اُن سے کہا کہ تم ہم لوگوں پر خواہ مخواہ کام کا اضافہ کر رہے ہو۔ تمہارا کیا ہے تم تو اکیلے ہو تمہارے کوئی اولاد نہیں ہے۔ ایک روایت ہے کہ قریش نے اُن کو اُن کے فرزند حارث جو اُن کے بڑے اور اکلوتے بیٹے تھے اور جن کی بنا پر اُن کی کُنیّت ابوحارث تھی کو بیوقوف کہا تھا اور زمزم کھودنے پر جھگڑا کیا تھا۔ یہی روایت زیادہ معتبر معلوم دیتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب جو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے والد بزرگوار تھے کی حضرت آمنہ سے شادی چاہِ زمزم کی کھدائی کے دس سال بعد ہوئی تھی اور وفات کے وقت اُن کی عمر پچیس سال تھی۔ شادی کے سال ہی وفات بھی ہوئی تھی۔ اسی سال حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ولادتِ شریف بھی ہوئی تھی اور اسی سال اصحابِ فیل کا واقعہ پیش آیا تھا اور یہ سال ۵۷۰ء بتایا جاتا ہے۔ اس طرح چاہِ زمزم کی کھدائی ۵۶۰ء میں ہوئی جبکہ حضرت عبداللہ کی عمر شریف پندرہ برس کے لگ بھگ ہوگی۔

حضرت عبدالمطلب کا قریش کے ساتھ چاہِ زمزم کی کھدائی کا جھگڑا اس وقت ہوا جب اُن کے اکیلے فرزند حارث تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت کھدائی کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا تھا اور کافی عرصہ بعد کھدائی کی گئی جب کہ اُن کے ہاں دس فرزند موجود تھے اور سب سے چھوٹے بیٹے حضرت عبداللہ کی عمر شریف تقریباً پندرہ سال تھی۔ اس طرح قریش کے ساتھ زمزم کی کھدائی کے جھگڑے کا سال ۵۳۵ء اور ۵۴۰ء کے درمیان متعین ہوتا ہے۔

جب کھدائی کرنے پر پانی نمودار ہوا تو پھر حقِ ملکیت پر جھگڑا اٹھا۔

حضرت عبدالمطلب نے کسی دوسرے دعویدار کو تسلیم نہ کیا۔ معاملے نے طول کھینچا۔ آخر طے پایا کہ بنی سعد کی ایک کاہنہ جو ملک شام میں رہائش پذیر ہے کے پاس چل کر اس کی ملکیت کا فیصلہ کرایا جائے۔ کچھ زادِ راہ ساتھ لیا اور اونٹنیوں پر سوار چل پڑے۔ راستہ میں پانی ختم ہو گیا۔ دور و نزدیک پانی ملنے کے آثار بھی معدوم تھے۔ ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ زندگی سے مایوس ہو کر مشورہ کیا کہ یہاں پر گڑھے کھودنا چاہئیں ممکن ہے پانی مل جائے ورنہ وہی گڑھے اپنا اپنا مدفن ہو جائیں گے۔ حضرت عبدالمطلب نے ان کی اس تجویز سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں باقی ماندہ توانائی یہاں گڑھے کھودنے میں خرچ کرنے کی بجائے آگے چلنا چاہیئے وقت کو یوں مایوسی میں ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ قدرتِ کاملہ سے کیا بعید ہے کہ ہم کسی ایسے مقام پر پہنچ جائیں جہاں پانی میسر آ جائے۔ اس تجویز کو سب نے پسند کیا۔ رختِ سفر باندھ کر جب حضرت عبدالمطلب کی اونٹنی اُٹھنے لگی تو اس کے گھٹنے کے نیچے پانی نمودار ہوا۔ سب خوشی سے اچھل پڑے زندگی کے آثار عود آئے۔ ٹھنڈا میٹھا پانی پی کر ہوش سنبھالا۔ اپنے جانوروں کو بھی پلایا اور گویا ہوئے کہ اب ہمیں کاہنہ کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ ربِّ کعبہ نے چاہِ زمزم کی ملکیت کا فیصلہ حضرت عبدالمطلب کے حق میں کر دیا ہے اب ہمیں اپنے وطن لوٹ جانا چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت سے وعدہ کیا کہ آئندہ کبھی وہ ان سے چاہِ زمزم کی ملکیت کے بارہ میں تنازعہ نہیں کریں گے۔ وہاں سے ہی واپس آ گئے۔

آبِ زمزم کے فضائل

حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ اصحابہٖ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے کہ زمزم کا پانی جس نیّت سے پیا جائے وہی فائدہ اس سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اگر تو اُس کو پیاس بجھانے کے واسطے پیئے تو اس کا کام دے گا اگر کھانے کی جگہ پیٹ بھرنے کے لئے پیئے تو اس کا کام دے اور اگر کسی مرض سے صحت کی نیّت سے پیئے تو اس کا کام دے یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی خدمت ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سبیل ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اُس جگہ ایڑی لگائی تھی جہاں سے چشمہ برآمد ہوا تھا۔ اس طرح یہ ان کی خدمت و سعی کا ثمرہ شمار ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر اس پانی کی فضیلت کیا ہو گی کہ شبِ معراج حضرت جبرائیل علیہ السلام آسمان سے حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ اصحابہٖ وسلّم کی سواری کے لئے براق لائے اور جنت سے سونے کا طشت لائے

لیکن قلبِ اطہر کو دھونے کے لئے بجائے جنت کے پانی کے زمزم کا پانی استعمال کیا گیا۔ جب اور چیزیں جنّت سے لائی گئی تھیں تو پانی وہاں سے لانے میں کیا مشکل تھی۔ بات صرف یہ تھی کہ اس پانی کا اُس پانی سے افضل درجہ ظاہر کرنا تھا۔

ذبیح اللہ کی وجہ تسمیہ

قرآن حکیم سورۃ والصّٰٓفّٰت آیات، ۱۰۲ تا ۱۰۷ کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے

’’اور پھر جب وہ اُن کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ گویا تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے۔ خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔ جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا۔‘‘

مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ۸؍ ذوالحجہ کو خواب آیا تو انہوں نے ایک صد دنبوں کی قربانی دی۔ ۹؍ ذوالحجہ کو پھر وہی خواب آیا جس کا ذکر قرآن حکیم میں بھی موجود ہے اور

جس کا ترجمہ اُوپر دیا گیا ہے تو حضرت نے ایک صد اونٹوں کی قربانی کی بعض نے لکھا ہے کہ دونوں دفعہ ایک ایک سو اونٹوں ہی کی قربانی دی تھی۔ واللہُ اعلم بالصواب۔ پھر جب ۱۰؍ ذوالحجہ کی رات کو وہی خواب آیا تو انہوں نے اپنے جگر گوشہ سے مشورہ کیا۔ یہ مشورہ اُن کو حکمِ خداوندی کے لئے برضا و رغبت تیار کرنے کے لئے تھا ورنہ نبی کا خواب سچا ہی ہوتا ہے۔ وہ بموجب خواب حکم بھی صادر فرما سکتے تھے جس میں حضرت اسماعیل کے بچہ ہونے کی وجہ سے پائے استقلال ڈگمگا جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے انہوں نے مشورۃً بات کی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام گو ابھی کمسن تھے۔ مگر اُن میں نورِ نبوت ختم المرسلینؐ موجزن تھا۔ انکار یا تذبذب کی گنجائش ہی کہاں تھی۔ فوراً حکمِ خداوندی کے آگے سر خم کر دیا اور عرض کیا کہ ’’ابا جان آپ حکمِ خداوندی کی تعمیل کیجئے۔ مجھے انشاء اللہ آپ صابر پائیں گے‘‘۔

کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بی بی ہاجرہ علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں اپنے لختِ جگر کو نہلایا دھلایا۔ سُرمہ ڈالا۔ اُجلے کپڑے پہنائے اور اِس طرح تیار کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ روانہ کر دیا۔ راستہ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو شیطان نے انسانی شکل میں آکر بہکانے کی کوشش کی مگر وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ

شیطان ہے۔ انہوں نے سات کنکریاں مار کر اس کو بھگایا۔ تین دفعہ اس ملعون نے کوشش کی مگر ہر بار منہ کی کھائی۔ جن مقامات پر شیطان کو کنکریاں مار کر بھگایا گیا۔ وہاں پر پتھروں کے ٹیلے سے بنا دیئے گئے ہیں۔ ان کو جمرات کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنی آنکھوں پہ پٹی باندھی۔ حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کو زمین پر اوندھے منہ لٹایا۔ بعض کہتے ہیں کہ باپ بیٹا دونوں نے پٹیاں باندھی ہوئی تھیں۔ بیٹے کو ماتھے کے بل لٹانا تو قرآنِ عظیم سے بھی ثابت ہے۔ روایت ہے کہ خلیل اللہ کو اپنی آنکھوں پر پٹی باندھنے کی ترغیب خود حضرتِ اسماعیل علیہ السلام نے دی تھی تاکہ شفقتِ پدری جوش میں آ کر پائے استقامت میں لغزش نہ پیدا کر سکے اور یہی فلسفہ بیٹے کو اوندھے منہ لٹانے میں تھا تاکہ چھری چلتی دیکھ کر پائے استقلال ڈگمگا نہ جائے۔ ادھر باپ نے تیز چھری بیٹے کی گردن پہ چلانا شروع کر دی اور اِدھر اللہ سمیعٌ بصیر نے حضرت جبرائیل کے ہاتھ جنت سے مینڈھا بھیجا تاکہ چھری کے نیچے رکھ دیا جائے اور حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کو چھری کے نیچے سے نکال لیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ نے جب خون نکلنے کی سرسراہٹ سنی آنکھوں سے پٹی کھول دی۔ دیکھا کہ حضرتِ اسماعیل علیہ السلام نزدیک کھڑے مسکرا رہے ہیں اور مینڈھا قربان ہوا پڑا ہے

ندا آئی۔ "اے ابراہیم تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں" وہ مینڈھا حضرتِ اسماعیل کا فدیہ تھا۔ اس واقعہ پہ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کہلائے۔

ایک روایت ہے کہ حضرتِ اسماعیل کے فدیہ میں جنت سے بکری بھیجی گئی دوسری روایت ہے کہ دنبہ بھیجا گیا۔ تیسری روایت ہے کہ مینڈھا بھیجا گیا۔ مینڈھا والی روایت زیادہ معتبر معلوم دیتی ہے کیونکہ ثابت ہے کہ اُس مینڈھے کے سینگ کعبہ شریف میں حضرت عبداللہ بن زبیر کے وقت تک محفوظ تھے۔ جو یزید کی فوج کی مکہ پہ فوج کشی اور منجنیقوں سے آگ برسانے کے باعث جل گئے تھے۔

مشہور ہے کہ قربانی کا یہ واقعہ مکہ مکرمہ سے تین چار میل دور مقام منیٰ پہ ہوا۔ لیکن زیادہ مورخین یہ مقام کوہ مروہ کے نزدیک بتاتے ہیں۔

مقامِ ابراہیم

یہ ایک پتھر ہے جس پہ کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ اس پتھر پہ آپ کے قدموں کا نشان بن گیا تھا۔ اسی پتھر پہ کھڑے ہو کر حضرت نے بحکم خدا لوگوں کو پکارا تھا کہ "اے لوگو! تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے گھر بنایا اور تم پر حج فرض کیا۔ پس خدا کے حکم کی تعمیل کرو (قرآن حکیم)،

اس پتھر کا خاصہ یہ تھا کہ وہ حسبِ ضرورت خود بخود اونچا نیچا ہو جاتا تھا۔ حجرِ اسود کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے کہ مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے۔ یہ تحقیق شدہ امر ہے کہ یہ پتھر بھی جنت سے آمدہ ہے۔ اس پتھر میں قدم کے نشانات ہونا بھی ایک کھلی نشانی ہے۔

خانہ کعبہ کی پانچویں تعمیر

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے فرزندِ ارجمند حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کے ہاتھوں تعمیرِ کعبہ کا ذکر قرآنِ کریم میں یوں آتا ہے۔

”اور یاد کر جب اٹھاتے تھے ابراہیم خلیل اللہ بنیادیں کعبہ کی اور اسماعیل ذبیح اللہ اور دعا کرتے تھے۔ اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے (اس کام کو کہ تعمیر خانہ کعبہ ہے) بیشک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا۔ اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی کر ایک جماعت فرمانبردار اپنی اور بتلا ہم کو قاعدے حج کرنے کے اور ہم کو معاف کر بیشک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں رسول انہی میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلا دے ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور پاک کرے ان کو بیشک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔“

(البقرہ۔ آیت ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹)

چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرمانبردار لختِ جگر حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کو ملنے چوتھی بار تشریف لائے تو آپ کو خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم ملا۔ یہاں یہ عرض کر دیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلی بار اپنی نیک بخت اور راضی برضائے حق بیوی حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھنے اس وقت تشریف لائے جب قربانی کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اس واقعہ کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ دوسری بار اس وقت تشریف لائے جب حضرت ہاجرہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی شادی خاندان عمالقہ کی ایک خاتون عمارہ بنت سعید سے ہو چکی تھی۔ اسی خاتون کے متعلق مشہور ہے کہ وہ سیّدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی عدم موجودگی میں ترش روی سے پیش آئی تھی اور انہوں نے اپنے بیٹے کے لئے پیغام چھوڑا تھا کہ ”دروازے کی چوکھٹ تبدیل کر دو“۔ تیسری بار جب تشریف لائے تو حضرت اسماعیل ذبیح اللہ بحکم والد بزرگوار عمارہ بنت سعید

سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد سیّدہ بنت مضاض جرہمی سے نکاح کر چکے تھے اور حسنِ اتفاق سے اس وقت بھی گھر پر موجود نہیں تھے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا سیّدہ بنت مضاض جرہمی نے نہایت خندہ پیشانی سے استقبال کیا حالانکہ وہ انہیں جانتی پہچانتی نہ تھیں۔ اس پر حضرت نے اپنے فرزندِ دلپسند کے لئے پھر پیغام چھوڑا کہ "اب تمہارے دروازہ کی چوکھٹ بہت اچھی ہے اس کو کبھی تبدیل نہ کرنا"۔ جب ذبیح اللہ گھر تشریف لائے تو ان کی زوجہ مطہرہ نے پیغام دیا۔ تب انہوں نے بتایا کہ وہ ان کے والد بزرگوار تھے اور تمہارے حسنِ سلوک سے مطمئن لوٹے ہیں۔ اور چوتھی بار جب تشریف لائے تو حضرت اسماعیل ذبیح اللہ زمزم کے پاس تشریف رکھتے ہوئے شکار کے لئے تیر درست کر رہے تھے۔ اپنے والدِ محترم کو دیکھ کر بے اختیار دوڑے اور مِل کر اس قدر روئے کہ دونوں باپ بیٹے کے گلے رُندھ گئے۔ جب ذرا آنسو تھمے تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت اسماعیل ذبیح اللہ سے فرمانے لگے کہ انہیں خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم ہوا ہے اور یہ کہ تم بھی میری مدد کرو۔ آپ پڑھ آئے ہیں کہ قربانی کے معاملہ میں مشورۃً رائے طلب فرمائی تھی حالانکہ اس وقت بھی خدا کا حکم تھا۔ اب

بھی خدا کا حکم ہے اور بیٹے کو بھی حکم ہی دے رہے ہیں۔ فرزندِ ارجمند کو خدائے عزّ و جل کے حکم کی بجا آوری میں اپنے واجبُ الاحترام شفیق باپ حضرت خلیل اللہ کی مدد کرنے کی سعادتِ عظمیٰ ملی تو بصد شوق تیار ہوئے اور دونوں باپ بیٹا تعمیر میں مشغول ہو گئے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی عمر شریف اس وقت سو برس کی تھی اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی تیس برس کی۔

ایک روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی بنیادوں کی نشاندہی کرائی۔

دوسری روایت میں ہے کہ طوفانِ نوح کے بعد ٹیلہ سا رہ گیا تھا۔ اس کی کھدائی کی گئی تو بنیادیں نظر آئیں۔ واللہ اعلم۔

بہرکیف حضرت اسماعیل ذبیح پتھر لاتے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ قرینہ سے جماتے جاتے تھے۔ گارا، سیمنٹ، گچ، چونا وغیرہ کچھ استعمال نہیں ہوا۔ بس پتھر پہ پتھر رکھتے جاتے تھے۔

جب دیواریں ذرا اونچی ہوئیں تو سیڑھی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اللہ سمیعٌ بصیرٌ نے اپنے بوڑھے دوست حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا خیال کرتے ہوئے جنّت سے ایک پتھر بھیجا جس کو مقامِ ابراہیم کہتے ہیں اور جس کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں آیا ہے اور

جس کی تھوڑی سی فضیلت ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں۔ اس جنتی پتھر کا خاصہ یہ تھا کہ وہ حسب ضرورت خود بخود اونچا اور نیچا ہو جاتا۔ یعنی موجودہ سائنسی دور کا آٹومیٹک کرین تھا۔ اس پتھر یعنی مقام پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل فرمائی۔

کیا شان ہے اس گھر کی جو خدائے ذوالجلال کے زیر اہتمام تعمیر ہوا۔ جس کی انجنیئری یا نقشہ نویسی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کی۔ جس کی مزدوری حضرت اسماعیل ذبیح اللہ نے کی اور عمارتی سامان جنت سے آیا۔

جب خانہ کعبہ تعمیر ہو چکا تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ کسی اچھے سے پتھر کا ٹکڑا اٹھا لاؤ تاکہ مقام رکن پر رکھ دوں۔ جس سے لوگوں کو امتیاز باقی رہے کہ طواف یہاں سے شروع کیا کریں۔ ایک قول ہے کہ جبل ابو قبیس نے آواز دی تھی کہ میرے پاس تمہاری امانت رکھی ہے۔ دوسرا قول ہے کہ حجر اسود کا پتہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا تھا۔ تیسرا قول ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خود ہی حجر اسود لا حاضر کیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ چنانچہ حجر اسود، نصب کر دیا گیا۔

اس عمارت میں ایک دروازہ جانب مشرق اور دوسرا جانب مغرب رکھا تاکہ ایک دروازہ سے لوگ داخل ہو کر دوسرے سے نکل جائیں۔ ان دروازوں کی دہلیزیں زمین کے برابر تھیں۔ چوکھٹ بازو اور کواڑ نہ تھے۔ اور نہ ہی چھت تھی۔ اس کے اندر ایک کنواں یا گڑھا تھا۔ جس میں وہ نذر نیاز ڈال دی جاتی تھی جو کعبہ پہ نثار کی جاتی تھی۔ یہ عمارت نو ہاتھ اونچی تھی اور طول و عرض حسب ذیل تھا۔

طول:	مشرق کی طرف	(حجر اسود سے رکن شامی)	۲۲	ہاتھ
عرض:	شمال کی طرف	(رکن شامی سے رکن غربی)	۲۲	〃
طول:	مغرب کی طرف	(رکن غربی سے رکن یمانی)	۳۱	〃
عرض:	جنوب کی طرف	(رکن یمانی سے حجر اسود)	۲۰	〃

نوٹ: شرعی گز ہاتھ کے برابر ہے اور ہاتھ یا گز ۲۴ انگل کا ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تعمیر کا نقشہ اگلے صفحہ پر دیا گیا ہے۔

نقشہ تعمیر ابراہیمی

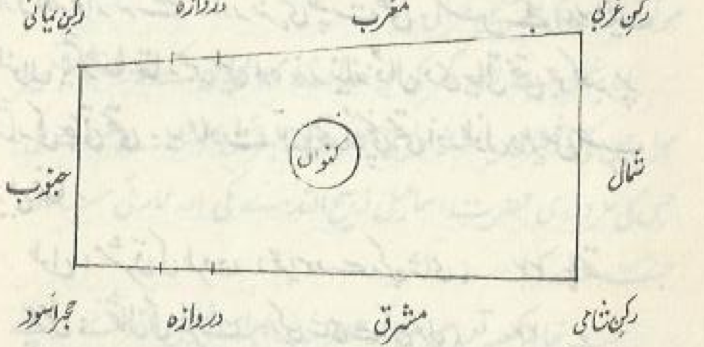

پیمانہ بحساب ۱/۸ انچ = ایک ہاتھ

حطیم بیت اللہ شریف کی شمالی دیوار کے متصل ایک نصف دائرہ کی شکل میں دیوار سے گھرا ہوا احاطہ ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے حجر کو بیت اللہ شریف کے پہلو میں حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی بکریوں کا باڑہ بنایا تھا۔ اور اس پہلو کی چھت ڈالی تھی۔ اس جگہ کو حطیم بھی کہتے ہیں۔ دوسری روایت ہے کہ قریشِ مکہ نے بنائے خلیل میں سے جانبِ غرب کا کچھ حصہ چھوڑ دیا تھا اور اس کے گرد چار دیواری بنادی تھی کہ

پھر موقعہ ملے گا تو کعبہ شریف کے اندر لے لیں گے اس حصہ کو حجر یا حطیم کہتے ہیں۔ تیسری روایت ہے کہ ایامِ جاہلیت میں حجر میں باہم قسم کھایا کرتے تھے اور اس قسم کی علامت یہ ہوا کرتی تھی کہ فریقین اپنا اپنا جوتا یا چابک یا کمان حجر کی طرف پھینک دیتے تھے اس واسطے حجر کو حطیم کہا کرتے تھے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حجر کو حطیم نہ کہنا چاہیئے کیونکہ یہ نام ایامِ جاہلیت میں وضع ہوا ہے۔ موجودہ حطیم جس کو حجرِ اسماعیل بھی کہتے ہیں۔ نصف دائرہ کی شکل کی دیوار میں گھرا ہوا ایک احاطہ ہے۔ جس کا ایک کنارہ رکنِ شامی کے پاس ختم ہوتا ہے اور دوسرا رکنِ عراقی کے پاس۔ رکنِ عراقی کو رکنِ غربی بھی کہتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قریشِ مکہ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے دوران حطیم کی جانب دیوار کو پیچھے ہٹا دیا اور کچھ حصہ کعبہ شریف کا باہر رہ گیا۔ قریش کی تعمیر کے ذکر میں مفصل حال آگے آئے گا۔ انشاء اللہ۔ ایک اور روایت ہے کہ قریش نے حجر کے پیچھے ایک چھوٹی سی گول دیوار بنادی تھی۔ ان اقوال و روایات سے یہ ثابت نہیں ہے کہ بنائے خلیل میں شمال کی جانب بیت اللہ شریف نصف دائرہ کی شکل کی دیوار سے گھرا ہوا تھا اور حجر یا حطیم یا حجرِ اسماعیل کا اصل حدود اربعہ کیا ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ

جانب غرب کا کچھ حصّہ چھوڑ گیا تھا اور دوسری میں ہے کہ حطیم کی جانب دیوار کو پیچھے ہٹا دیا مگر حطیم کا اصل محلِ وقوع نہیں بتایا کہ آیا وہ مغرب کی طرف کا حصّہ ہے یا شمال کی طرف کا۔ ایک حدیث میں ہے کہ "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے حضورؐ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ بیت اللہ شریف کے بارہ میں تیری قوم نے کوتاہی کی اگر وہ کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتے تو مَیں اِس حصّہ کو جس کو انہوں نے باہر نکال دیا بیت اللہ شریف کے اندر داخل کر دیتا۔ اگر میرے بعد کعبہ شریف کی تعمیرِ نو کی نوبت آئی تو میں تجھے دکھا دُوں کہ وہ کتنا حِصّہ ہے جس کو انہوں نے باہر نکال دیا۔ اُس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم نے تقریباً سات ہاتھ کے بقدر حصّہ دکھایا۔" اس سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ حصّہ مغرب کی طرف کا تھا یا شمال کی طرف کا۔ بہرکیف موجودہ حطیم جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ شمال کی جانب نصف دائرہ کی شکل کا دیوار سے گھِرا ہوا احاطہ ہے دیوار تقریباً پانچ فٹ چوڑی ہے اور تینوں اطراف اندر باہر اور اوپر سنگِ مرمر سے مزیّن ہے اس حصّہ کا حکم بھی خانہ کعبہ کے حکم میں ہے۔

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نوّے سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ اُس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر شریف بیس ۲۰ سال کی تھی حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو حِجر میں دفن کیا گیا۔ جس کو حطیم کہتے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وصال پر انہیں حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے برابر حطیم میں دفن کیا گیا۔ اس وقت دونوں قبور کے آثار موجود نہیں مگر حطیم میں میزابِ رحمت کے نیچے اُس مخصوص جگہ کو مقامِ اسماعیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ فرش برابر کر دینے میں ایک حکمت بھی ہے کہ لوگ خانہ کعبہ کو سجدہ کی بجائے قبر ہی کو سجدہ کرنا نہ شروع کر دیں۔

باب سوم

بَیتُ اللہ کی چھٹی تعمیر

چھٹی مرتبہ عمالقہ کی تعمیر کا سراغ ملتا ہے۔ یہ مصر اور شام کا بادشاہ تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ اسی قبیلہ عمالقہ کی ایک خاتون عمارہ بنت سعیدہ سے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی پہلی شادی ہوئی تھی جس کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔

بَیتُ اللہ کی ساتویں تعمیر

ساتویں مرتبہ بنی جرہم کی تعمیر کا ذکر ہے۔ یہ قبیلہ بھی حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ یہ یاد رہے کہ طوفانِ نوح میں صرف حضرت نوح علیہ السلام ہی زندہ نہیں بچے تھے بلکہ اُن کی کشتی میں چند دیگر مومنین بھی تھے۔ اُن کی اولاد بھی تو آخر دنیا میں

موجود تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دوسری نیک بخت بی بی سیدہ بنت مضاض اسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

بَیتُ اللہ کی آٹھویں تعمیر

آٹھویں بار قُصَیّ بن کلاب کی تعمیر کا ذکر کتب تواریخ میں آتا ہے۔ یہ بزرگ تقریباً ۴۰۰ء میں پیدا ہوئے اور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی پانچویں پشت میں دادا ہیں۔ سلسلہ نسب یوں ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قُصَیّ بن کلاب
انہوں نے حلیل بن حبشیہ کی بیٹی حُبّی سے نکاح کیا۔ اور اپنے سسر کی وصیت کے مطابق کعبۃ اللہ کے متولّی ہوئے۔ تولیّت کعبہ سنبھال کر بہت سے رفاعی کام کئے۔ جن میں کعبۃ اللہ کی تجدید اور دارالندوہ کی تعمیر قابلِ ذکر ہے۔ دارالشوریٰ کے صدر بھی تھے اور حجاج کے لئے فراہمی آب۔ ان میں لنگر کی تقسیم اور عام مہمانداری کے اہم فرائض بھی اُن ہی کے سپرد تھے۔

اصحابِ فیل

اصحابِ فیل کا واقعہ گو تعمیرِ کعبہ سے متعلق نہیں ہے۔ مگر اس کا خانہ کعبہ سے تعلق ضرور ہے اس لئے مناسب معلوم دیتا ہے کہ یہاں اس کا اجمالاً ذکر کر دیا جائے۔

جس سال حضرتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم ! (فداہُ ابی و اُمّی) کی ولادتِ پاک ہوئی اسی سال تقریباً ۵۷۰ء میں ابرہہ اشرم بن صباح شاہِ یمن نے خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کی غرض سے مکّہ معظمہ پر چڑھائی کی تھی۔ واقعہ یوں ہوا تھا کہ اُس نے یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک بڑا گرجا تعمیر کیا تھا۔ اس کی تعمیر سے اُس کا منشا عربوں کو حج کرنے کے لئے کعبہ کی بجائے اس گرجا کی طرف متوجہ کر کے خانہ کعبہ کی مذہبی حیثیت کو ختم کرنا تھا۔ اس نے عربوں میں یہ تحریک چلائی کہ کعبہ بھی عبادت گاہ اور گرجا بھی عبادت گاہ ہے مگر چونکہ گرجا کی تعمیر کعبہ کی تعمیر سے ہر پہلو سے بہتر ہے اس لئے عربوں کو اس کے گرجا میں آکر حج کرنا چاہیئے۔ گو خانہ کعبہ اس وقت بُت خانہ بنا ہوا تھا۔ مگر پھر بھی مُشرک اس کا طواف کیا کرتے تھے اور ہر سال حج بھی کرتے تھے

اگرچہ ارکانِ حج مسلمانوں سے کچھ مختلف تھے پھر بھی اس کو مذہبی حیثیت حاصل تھی۔ ابرہہ عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ اِس تحریک سے ایک شخص کنانی کو طیش آگیا وہ رات کو اس گرجا کے اندر جا کر غلاظت پھیلا آیا اور اپنے وطن روانہ ہو گیا۔ جب ابرہہ شاہِ یمن کو یہ خبر پہنچی تو اُس نے غیظ و غضب سے مغلوب ہو کر قسم کھائی کہ وہ بیتُ اللہ شریف کو منہدم ہی کر دے گا اور خیال کیا کہ کعبہ کی عمارت ختم کرنے کے بعد تو عرب مناسک حج اُس کے تعمیر کردہ گرجا میں ادا کرنے پر مجبور ہوں گے۔ یہ اس کی اپنی سوچ تھی۔ سلطنت کے غرور نے قدرت کے انتقام سے اندھا کر دیا۔ اپنا لاؤ لشکر لے کر جس میں تیرہ ۱۳ ہاتھی بھی شامل تھے مکّہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں مقابلہ میں آنے والے عرب قبائل کو تاخت و تاراج کرتا ہوا طائف جو مکّہ مکرمہ سے بطرف مشرق پنیسٹھ میل پر ایک بہت سرسبز و شاداب خطّہ ہے پہنچ کر پڑاؤ کیا۔

حضرت عبدالمطلب، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم ان دِنوں قریش کے سردار تھے۔ ابرہہ کے لشکر کے آمد کی اطلاع مکّہ مکرمہ پہنچ چکی تھی۔ مگر سردارانِ قریش خاموش امن پسندی

کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ تا آنکہ ابرہہ نے اسود بن مقصود نامی ایک حبشی کو مکہ کی جانب روانہ کیا جو اہلِ مکہ کے مویشیوں کو ہانک لایا، جن میں حضرت عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی شامل تھے۔ اسود نے یہ سب مویشی ابرہہ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ قریش اس اشتعال انگیزی پر بھی خاموش رہے۔ کیونکہ ایک تو اُن پر ابرہہ کے لشکر کو عددی برتری حاصل تھی اور دوسرے ان کو یقین کامل تھا کہ خانہ کعبہ اللہ اور اس کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھر ہے۔ خدا اپنے گھر کے انہدام سے ابرہہ کو نہیں روکتا تو یہ اُسے اختیار ہے اور اگر وہ اُسے بچانا چاہتا ہے تو وہ اس پر قادر ہے یعنی حضرت عبدالمطلب راضی برضائے الٰہی تھے۔ اتنے متوکل باللہ کیوں نہ ہوتے خود نبیوں کی اولاد تھے اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم کے نورِ نبوت کے حامل رہ چکے تھے۔

قریش کی طرف سے خاموشی نے ابرہہ کو اور بھی دردناک اذیت میں مبتلا کر دیا تو اس نے ایک قاصد حناطہ حمیری نامی کو مکہ ارسال کیا تاکہ وہ وہاں کے سردار کا پتہ لگا کر اُسے بادشاہ کا پیغام پہنچا دے کہ وہ اُن سے جنگ کرنے نہیں آیا بلکہ صرف بیت اللہ کو منہدم کرنے آیا ہے۔ چنانچہ قاصد نے حضرت عبدالمطلب کے سردار ہونے کی تصدیق کے بعد انہیں یہ پیغام پہنچایا تو حضرت اس قاصد کے ساتھ ابرہہ کے پاس بغیر ہتھیار لگائے تن تنہا پہنچ گئے۔ نقیب نے اندر اطلاع کی۔ اجازت ملی۔ اندر تشریف لے گئے۔ بادشاہ، تخت سے نیچے اتر کر تعظیماً فرش پر بیٹھ گیا اور حضرت کو بھی اپنے برابر جگہ دی۔ وہ حضرت کو کھڑا نہیں رکھنا چاہتا تھا اور اگر تخت پر جگہ دیتا تو حبشی درباریوں کی طرف سے طعن کا خدشہ تھا اس لئے وہ خود نیچے اتر کر فرش پر بیٹھ گیا۔ دونوں طرف سے خاموشی تھی آخر ابرہہ نے خود ہی مہرِ سکوت توڑتے ہوئے آپ سے کہا کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیان کیجئے۔ حضرت نے اُس سے پکڑے ہوئے اونٹوں کی بازیابی کا مطالبہ کیا اور بس۔ بادشاہ یہ سُن کر اور بھی حیرت زدہ ہوا کہ اچھا بوڑھا سردار ہے کہ اپنے اونٹوں کی فکر دامن گیر ہے اور اپنے خدا کے گھر کی سلامتی کا ذکر تک نہیں کرتا۔ حالانکہ اسے قاصد کی زبانی معلوم ہو چکا ہے کہ میں کس غرض سے آیا ہوں۔ آخر اس نے اپنی حیرت کا اظہار کر ہی دیا۔ جس پر حضرت نے مختصر سا جواب دیا کہ "میں اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے اُن کی واپسی کا مطالبہ ہے۔

اُس گھر کا جو مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا"۔ یہ جواب پاکر بادشاہ نے اُونٹ اور دیگر مویشی واپس کر دیئے۔ حضرت مویشی لے کر مکہ آ گئے اور اپنی قوم کو ابرہہ کے لشکر کے متوقع حملہ سے بچاؤ کی خاطر گھر چھوڑ کر پہاڑوں اور دروں میں چھپ جانے کا حکم دیا۔ خود معہ دیگر چند افرادِ قریش کے بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر قریش کی فتح و نصرت کی دعائیں مانگنے لگے۔ اُدھر ابرہہ نے مکہ میں داخل ہونے کی تیاری کی اور کعبہ کے انہدام کے پختہ ارادہ کے ساتھ اپنے سب سے بڑے ہاتھی محمود کو اس مقصد کے لئے تیار کر لیا۔ اس وقت پڑاؤ مکہ سے باہر سات آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک وادی میں تھا۔ ہاتھی کو مکہ کی طرف چلانا چاہا تو وہ بیٹھ گیا اور ایک قدم آگے نہ اٹھایا۔

جب مخالف سمت میں یا دائیں بائیں چلانے کا ارادہ کرتے تو ہاتھی اُٹھ کر بھاگنے لگتا۔ اس طرح بصد کوشش ہاتھی مکہ کی طرف نہ چل سکا۔ کیسے چلتا؟ حکمِ خداوندی سے سرتابی ممکن نہ تھی۔ حیوان ہوتے ہوئے حکم برداری اور اطاعت کا یہ عمل اور ابرہہ کی سرکشی ملاحظہ ہو۔ اس بدبخت نے ہاتھی کے عمل سے بھی سبق نہ لیا کیونکہ بربادی اُس کا مقدر بن

چکی تھی۔

اسی کشمکش میں حق تعالےٰ نے سمندر کی طرف سے ابابیل پرندہ کے غول کے بھیجے جو ہر ایک تین تین کنکریاں ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں اٹھائے ہوئے تھا۔ یہ کنکریاں چنے اور مسور کی دال کے برابر تھیں۔ ان پرندوں نے یہ کنکریاں ابرہہ کے لشکر کے اوپر پھینکیں۔ جس انسان ان کو ایک کنکری بھی لگتی وہ وہیں ہلاک ہو جاتا۔ صرف چند آدمی جن کو کنکریاں نہیں لگی تھیں بچ کر تیزی سے راستہ طے کرتے ہوئے یمن کی طرف، بھاگ گئے اُن میں ابرہہ بھی تھا۔ راستہ میں ابرہہ کے جسم کے اعضاء کٹ کٹ کر گرنے لگے اور صنعاء دار السلطنت تک پہنچتے پہنچتے وہ اس چڑیا کے بچے کی طرح لُنجا رہ گیا جس کے بال و پر نوچ لئے گئے ہوں۔ پھر اس کا سینہ شق ہو گیا اور کیفرِ کردار کو پہنچا۔

قرآنِ حکیم میں اس واقعہ کا ذکر سورۂ فیل میں آیا ہے۔ کہ خدائے برتر نے اُن ہاتھی والوں کو چبائے ہوئے بھوسہ کی طرح پامال کر دیا۔ گو اُس کو قدرت حاصل تھی کہ انہیں پرندوں کے تسلط کے بغیر ہی تباہ و برباد کر دیتا لیکن اس حقیر چیز کو اُس جابر کی ہلاکت کا سبب بنا کر عبرت کا نشان بنا دیا۔

اس بات میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیئے کہ ایک مسور کے دانہ کے برابر کنکری نے بندوق کی گولی کا کام کیسے کیا ہوگا ۔ قدرتِ خداوندی کے منکروں کے لئے عرض ہے کہ سائنس کے اصول کے مطابق زمین کی کشش ثقل بلندی سے آنے والی چیز کی رفتار پر اثر انداز ہوتی ہے ۔ یعنی جوں جوں وہ چیز زمین کے نزدیک آتی جائے گی ۔ اس کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جائے گی ۔ زمین سے اس چیز کی بلندی جتنی زیادہ ہوگی اسی نسبت سے زمین تک پہنچتے پہنچتے رفتار تیز ہوگی ۔ ایک ہی وزن کی دو چیزیں اگر مختلف بلندیوں سے زمین پر پھینکی جائیں تو زیادہ فاصلہ سے پھینکی ہوئی چیز کی رفتار زمین تک پہنچتے پہنچتے کم بلندی سے پھینکی گئی چیز کی نسبت زیادہ ہوگی اور جتنی رفتار زیادہ ہوگی اتنی چوٹ لگانے کی طاقت زیادہ ہوگی ۔ بندوق کا بھی تو یہی اصول ہے کہ مسور کے دانہ کے برابر گولی کی رفتار تیز کر دی جاتی ہے ۔ اس طرح اس میں چوٹ لگانے کی طاقت بڑھ جاتی ہے ورنہ اگر وہی گولی ہاتھ سے ماری جائے تو کوئی چوٹ نہیں لگا سکے گی ۔ پس سائنس کے انہیں اصولوں کے مطابق بلندی سے چھوڑی گئیں کنکریاں نیچے پہنچتے پہنچتے بندوق کی گولی کے برابر یا اس سے بھی زیادہ تباہ کن بن جانے پر قیاس کر لیں ۔

وہ گرجا جو ابرہہ نے یمن میں بنوایا تھا ۔ بنو العباس کے خلیفہ اوّل سفاح نامی کے زمانہ میں زمین بوس کر کے آثار مٹا دیئے گئے اور ذکر ختم ہوگیا ۔

وہ وادی جہاں پر ابرہہ اور اُس کے لشکر پر عذاب نازل ہوا مکہ مکرّمہ سے عرفات جاتے ہوئے راستہ میں پڑتی ہے اور وادیٔ محسّر کے نام سے موسوم ہے ۔ حجاج کرام وہاں سے تیز چل کر یا دوڑ کر گزرتے ہیں ۔ اس طرح اُس معتوب جگہ کو خدائے ذوالجلال نے قیامت تک کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا ہے ۔

باب چہارم

خانہ کعبہ کی نویں تعمیر

نویں بار قریشِ مکہ نے تعمیر کی۔ بیت اللہ کی عمارت چونکہ نشیب میں واقع تھی اس لئے وادیٔ مکہ کے سیلابوں کا پانی حرم پاک میں آجاتا تھا۔ اس پانی کی روک کے لئے بالائی حصّہ پر بند بھی بنوایا گیا تھا مگر وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔ اس دفعہ ایسے زور کی رَو آئی کہ خانہ کعبہ کی دیواریں پھٹ گئیں۔

ایک دوسری روایت کے مطابق ایک عورت نے کعبہ کو دھونی دی تو ایک شرارہ غلافِ کعبہ پر پڑ گیا۔ جس سے آگ لگ جانے کی وجہ سے دیواریں کمزور ہو گئیں اور قریش نے اسے منہدم کر کے ازسرِنو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کی عمر شریف پنتیس ۳۵ سال اور دوسری روایت کے مطابق پچیس ۲۵ سال تھی۔

سردارانِ قریش خستہ عمارت کو منہدم کرنے سے بھی ڈرتے تھے چنانچہ ولید بن مغیرہ خانہ کعبہ پر چڑھا اور اس کو گرانا شروع کیا۔ گراتے وقت اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے "اے اللہ ہم صرف اصلاح کی غرض سے یہ کام کر رہے ہیں۔" کہا جاتا ہے کہ اکثر دوسرے قریش ڈر کر منیٰ کی طرف چلے گئے تھے۔ ولید بن مغیرہ جب اس کام سے فارغ ہوا تو دوسرے قریش بھی آگئے اور تعمیر کے متعلق صلاح مشورے ہونا شروع ہوئے۔ ابو وہب بن عمرو بن عائذ مخزومی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کا ماموں تھا۔ اس نے مشورہ دیا کہ کعبۃ اللہ کی تعمیر میں حلال مال کے سوا اور مال صرف نہ کیا جاوے۔ چنانچہ چندہ جمع کیا گیا اور کعبۃ اللہ کے اندر جو گڑھا یا کنواں تھا۔ جس میں نذر نیاز ڈالتے تھے اس میں سے بھی نذر نیاز کی جمع شدہ رقم نکالی گئی۔ یہ سب مال پوری تعمیر کے لئے کافی نہ تھا۔ اس لئے حجرِ اسماعیل کی طرف سے چھ ہاتھ اور ایک بالشت جگہ کم کر دی گئی اور اس کے پیچھے ایک چھوٹی سی دیوار بنا دی گئی۔ چھت کے لئے لکڑی درکار تھی۔ حُسنِ اتفاق سے ایک رومی تاجر باقوم نامی کا جہاز بندرگاہ جدّہ پر کنارے سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ قریش کے سرداران یہ سب

مصدقہ خبریں پاکر ولید بن مغیرہ کی سرکردگی میں جدّہ پہنچے اور چھت کے لئے جہاز کے تختے مول لے لئے۔ دورانِ معاملہ انہیں معلوم ہوا کہ باقوم مذکور نہ صرف ایک تاجر ہے بلکہ عماری اور بڑھئی کے کام میں بھی مہارت رکھتا ہے۔ چنانچہ اُسے بھی ساتھ لے لیا۔ بعض نے کہا ہے کہ باقوم مذکور سعید بن عاص کا غلام تھا اور اسی نے بعد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کا منبر شریف بھی بنایا تھا۔ واللہُ اعلم۔ دیواروں کے لئے پتھر لانے میں حضور اکرم صلی اللہُ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم اپنے چچا عباس کے ساتھ شریک تھے اور کوہِ صفا سے منفصل اجیاد سے پتھر لارہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کے پاس صرف ایک ہی کپڑا تھا جسے تہبند کے طور پہ باندھے ہوئے تھے۔ پتھر ننگے شانوں پہ اٹھاتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ "لے میرے بھتیجے! کاش تم اپنی ازار (تہبند) اُتار ڈالتے اور اسے لپنے شانوں پر پتھر کے نیچے رکھ لیتے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم نے ازار کھول کر اُسے لپنے شانوں پہ رکھ لیا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اُس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کبھی برہنہ نہیں

دیکھے گئے (صحیح بخاری - کتاب الصلوٰۃ جلد اوّل صفحہ ۲۱۴)

یہاں پہ یہ واضح ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ازار کھولنے سے انکار نہ کرنا اپنے مشفق چچا کے حکم کی بجاآوری میں تھا۔ جو حضرتِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ننگے بدن پتھر اٹھانے کی تکلیف کو مدِّ نظر رکھ کر مشورۃً دیا تھا۔ یہی تو اخلاق کی بلندی تھی اور ہمارے لئے بزرگوں کی تابعداری کا سبق۔

معتبر روایات سے ثابت ہے کہ قریش کے خانہ کعبہ تعمیر کرنے کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کی عمر شریف پینتیس سال تھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم بہ نفسِ نفیس اس تعمیر میں اپنے چچا عباسؓ کے ساتھ شریک تھے۔

بیان کردہ حدیث شریف میں حضرت عباسؓ کا اپنے بھتیجے کو مشورہ دینا کہ تہبند کھول کر کندھوں پہ رکھ لے تاکہ پتھر کی رگڑ سے محفوظ رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا اپنے چچا کی حکم عدولی نہ کرنا درآنحالیکہ اُن کی عمر شریف اس وقت ۳۵ سال تھی موجودہ دَور میں کچھ مضحکہ خیز معلوم دیتا ہے۔ اس لئے کہ ایک عاقل و بالغ شخص کو اگر اس کا باپ یا چچا حکم دے کہ ننگے ہو جاؤ تو اس حکم کے خلاف

شرع ہونے کی بنا پر اس کی بجا آوری کی بجائے سرتابی لازم ہے۔ پھر کیا وجہ کہ حضورِ اقدس ؐ نے اس حکم کے ماننے سے انکار کیوں نہ کیا ؟ اس واقعہ کی صداقت سے بھی انکار نہیں۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں منصبِ نبوت عطا ہوا۔ اور یہ واقعہ اس سے پانچ سال پہلے کا ہے۔ نبوت سے سرفراز ہونے کے تیرہ سال بعد تک مکہ شریف میں قیام رہا۔ پھر ہجرت کی اور ۹ھ میں حکم ہوا کہ "کوئی مشرک حج کو نہ جاوے۔ کوئی ننگا حج نہ کرے۔" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرکوں کے عقائد سے قطع نظر کچھ مسلمان بھی ایسے ہوں گے جو ننگا ہو ہو کر حج کرنے کو سعادت تصور کرتے ہوں گے جبھی تو ننگا حج کرنے سے منع فرمایا گیا۔ مذکورہ بالا واقعہ تو اس حکم امتناعی سے ستائیس (۲۷) سال پہلے کا ہے جب مشرک ننگا ہو کر طوافِ کعبہ کرنے کو سعادتِ عظمیٰ تصور کرتے تھے۔ اس وقت حضرتِ عباس کا یہ رائے دینا اس شرکانہ عقیدہ کے تحت بھی ممکن ہے۔ کہ ہم خرما و ہم ثواب۔ یعنی پتھروں رگڑ سے جسمِ اطہر محفوظ رہے اور کعبہ کے نزدیک ننگا ہونے کا اب بھی ہو۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا اس حکم سے نکار نہ کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ بزرگوں کا حکم تھا اور دوسرے اس وقت

شرعِ محمدی نافذ نہ تھی بلکہ عہدۂ جلیلۂ نبوت سے ہی ابھی تک سرفراز نہ ہوئے تھے۔

باقوم مذکور نے گارے سے چنائی شروع کر دی۔ جب عمارت حجرِ اسود کے مقام تک پہنچی تو قبائلِ عرب میں سخت جھگڑا پیدا ہو گیا۔ ہر قبیلہ کی خواہش تھی کہ حجرِ اسود نصب کرنے کی ت اس کے حصہ میں آئے۔ اسی کشمکش میں چار دن گزر گئے اور جھگڑا طول کھینچتا رہا حتیٰ کہ تلواریں بے نیام ہونے تک نوبت پہنچ گئی۔ بنو عبد الدار اور بنو عدی بن کعب دو قبیلوں نے تو اس پر جان کی بازی لگا دینے تک کی قسم کھائی اور حسبِ دستورِ زمانۂ جاہلیت حلف کی علامت کے طور پر ایک پیالہ میں خون بھر کر اپنی انگلیاں اس میں ڈبو کر چاٹ لیں۔ پانچویں دن جب سب مسجد الحرام میں جمع ہوئے تو ابو امیہ بن مغیرہ مخزومی نے جو حضرت ام المومنین ام سلمہ کا والد اور قریش میں سب سے معمر تھا۔ یہ رائے دی کہ کل صبح جو شخص اس مسجد کے باب بنی شیبہ سے سب سے پہلے حرم میں داخل ہو وہ ثالث قرار دیا جائے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا اور رات وہیں پر آنے والے کی انتظار میں گزار دی۔ اگلی صبح حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم قدرتِ خداوندی کے طفیل سب سے پیشتر،

مسجد الحرام میں باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے۔ دیکھتے ہی سب پکار اٹھے "یہ امین ہیں ہم اِن پر راضی ہیں"۔ اِس معاملہ کا ذکر آپ صلی اللہ تعالے علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم سے ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم نے اپنی چادر مبارک بچھا کر اس میں حجرِ اسود کو رکھا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک منتخب شدہ سردار چادر کے کنارے کو پکڑ لے اِس طرح اس کو خانہ کعبہ کی دیوار تک لے جا کر فرمایا کہ تم سب مجھے اپنی طرف سے وکیل بنا دو کہ اس پر سے اٹھا کر دیوار میں رکھ دوں۔ سب نے وکیل تسلیم کر لیا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم نے اپنے دستِ مبارک سے دیوار میں نصب فرما دیا اور وہ سب خوش ہو گئے اور متحارب قبائل ایک دفعہ پھر شیر و شکر ہو گئے۔

یہ واقعہ دوشنبہ کے دن ظہور پذیر ہوا۔

قریش نے اِس تعمیر میں کئی ایک تبدیلیاں کیں۔ حطیم کا حصّہ، مسقف نہیں کیا۔ جس کا اُوپر کہیں ذکر آچکا ہے۔ اونچائی اٹھارہ گز یا ہاتھ کر کے چھت ڈال دی گئی۔ جانبِ مغرب کعبہ شریف کا دروازہ بالکل بند کر دیا گیا۔ اور جانبِ مشرق دروازہ فرش سے پانچ فٹ اونچا کر دیا گیا۔ تاکہ ہر شخص اس میں داخل نہ ہو سکے اور داخلے کے واسطے سیڑھی لگانا پڑے۔ جس کو دل چاہے سیڑھی لگا کر داخل کریں

جس کو چاہیں داخل نہ ہونے دیں۔

عہدِ نبوت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم کا ارادہ ہوا کہ حجر کو خانہ کعبہ میں ملا دیں اور دروازہ سطح زمین کے برابر کر دیں اور دو دروازے کر دیں مگر اس خیال سے اس کو عملی جامہ نہ پہنایا کہ قریش نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں کہیں دیوارِ کعبہ کے گرانے سے بدظن ہو کر دینِ اسلام سے ہی نہ پھر جائیں۔ اِس لئے وہ تعمیر جُوں کی تُوں ہی رہنے دی۔ حطیم کا حصّہ باہر رہنے میں تو ایسی مصلحت پوشیدہ ہے جن تک کفّار یا مشرکین کی ناپختہ عقول کی رسائی نہیں وہ یہ کہ عام لوگ اس میں نماز گزار کر بیت اللہ کے اندر نماز گزارنے کے برابر ثواب حاصل کر سکیں۔ جیسا کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالے علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم نے حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا کو فرمایا تھا کہ حطیم میں نماز پڑھ لو یہ بھی بیتُ اللہ کا حصّہ ہے اور تمہاری قوم کے پاس سرمایہ کی کمی کی وجہ سے شامل نہیں کیا جا سکا۔

غلافِ کعبہ

سب سے پہلی خاتون جنہوں نے خانہ کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھایا تھا وہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی والدہ محترمہ حضرت نتیلہ تھیں۔ انہوں نے حضرت عباس جو ابھی بچہ ہی تھے کے گم ہو جانے پر نذر مانی تھی کہ اگر وہ مل گئے تو خانہ

کعبہ پر غلاف چڑھائیں گی۔ چنانچہ آپ کے مل جانے پر انہوں نے اپنی نذر پوری کی جیساکہ آپ انہی صفحات میں پہلے پڑھ آئے کعبہ شریف کی تعمیر نو کی ضرورت ہی اس وقت پیش آئی جب کہ کسی عورت نے دھونی دی اور شرارہ پردہ پر پڑ گیا اور آگ لگ گئی تو قریش نے اُسے دوبارہ تعمیر کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ قریش کی تعمیر سے پہلے غلاف موجود تھا۔ اِس سے اوپر کے قصّہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

بعض علمائے تاریخ اِس دعوےٰ کی شہادت دیتے ہیں۔ ملوکِ تبابعہ میں سے جو تبع یمن سے نکل کر مشرق کی طرف بڑھا تھا۔ اس کا نام تبان اسعد تھا۔ اس کا اصل نام حسان تبع تھا۔ اِسی نے خانہ کعبہ پر سب سے پہلے غلاف چڑھایا تھا۔ اور بنی جرہم کو اِس کی ولایت سپرد کی تھی۔ یعنی متولّی بنایا تھا۔ خانہ کعبہ کا دروازہ بھی اس نے قائم کیا اور کنجی بھی مقرّر کی۔ مشہور مؤرّخ علامّہ ابنِ اسحاق نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

قریش کی تعمیر سے پہلے غلافِ کعبہ کی موجودگی ثابت ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کی والدہ کا چڑھایا ہوا غلاف شریف پہلا غلاف نہیں تھا۔ بلکہ حسان تبع کا چڑھایا ہوا غلاف اُس سے بھی پہلے موجود تھا دونوں روایتوں میں تضاد بھی نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت نتیلہ غلاف چڑھانے والی خواتین میں سے پہلی خاتون ہیں اور مردوں میں سے

پہلے غلاف چڑھانے والا حسان تبع تھا۔"

پہلے سلاطینِ ترک غلاف مبارک کا اہتمام کرتے تھے۔ پھر مصر میں تیار ہوتا رہا۔ ایک سال یہ سعادت پاکستان کے حصّہ میں بھی آئی۔ اب ہر سال حکومت سعودی عربیہ اس کا اہتمام کرتی ہے۔ غلاف مبارک سیاہ رنگ کا دبیز ریشمی ہوتا ہے جس پر "اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ" ——— لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ" کڑھا ہوتا ہے۔ سونے کی تاروں سے حج کے متعلقہ کئی آیات کڑھی ہوتی ہیں۔ دروازہ کے حصّہ کا غلاف تمام کا تمام سنہری کڑھائی سے مزیّن ہوتا ہے۔

میزابِ رحمت

میزاب پرنالے کو کہتے ہیں۔ کعبۃُ اللہ کی تعمیر جو قریش نے کی اس پر چھت ڈالی گئی تھی۔ اس سے پہلے مسقّف تعمیر کا ثبوت نہیں ملتا۔ جب چھت ڈالی گئی تو پرنالہ کی ضرورت ہوئی ہوگی۔ اس وقت کیسا پرنالہ لگایا گیا اس کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ موجودہ پرنالہ بیتُ اللہ کی شمالی دیوار میں خالص سونے کا بنا ہوا لگا ہوا ہے۔ اس کا پانی حجرِ اسماعیل پر گرتا ہے میزاب کی دیوار چار انگل بلند ہے۔ ایک بالشت چوڑا اور دو ہاتھ دیوار سے باہر ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ نیک لوگوں کے مصلّے پہ نماز پڑھا کرو۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ نیک لوگوں کا مصلّے کیا چیز ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ میزاب رحمت کے نیچے۔

درمنثور کی ایک روایت میں ہے کہ میزاب رحمت کے نیچے بھی قبولیت دعا کا ایک مقام ہے۔

باب پنجم

کعبۃ اللہ کی دسویں تعمیر

دسویں مرتبہ ۶۴ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے چچیرے بھائی اور حضرت امّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا کے بھانجے یعنی حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ کے بیٹے اور اہل حجاز کے خلیفہ تھے نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی۔ واقعہ کربلا کے بعد اہل حجاز نے آپ کو خلیفہ تسلیم کرلیا تھا۔ یزید بن معاویہ نے انہیں مطیع کرنے کی غرض سے حسین بن نمیر کی سرکردگی میں ایک لشکر مکہ معظمہ کی طرف روانہ کیا۔ اس سنگدل نے کوہ ابوقبیس پر منجنیق نصب کرکے آگ برسانا شروع کی جس سے غلاف کعبہ نذرِ آتش ہوا اور دیواریں شکستہ ہوگئیں۔ اسی اثنا میں یزید مر گیا اور حسین بن نمیر کو محاصرہ اٹھا کر واپس آنا پڑا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالے عنہ نے کعبہ مکرمہ کو منہدم

کر کے از سرِ نو تعمیر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کی تمنّا اور خواہش تھی کہ کعبہ شریف کی تعمیر کو سابقہ طرز یعنی ابراہیمی بنیاد وں پر تعمیر کر دیا جائے چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ عرب نو مسلم ہیں مبادا کعبہ شریف کے گرانے سے ان کے جذبات میں اشتعال پیدا ہو اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں کعبہ شریف کو از سرِ نو تعمیر کرتا اور حطیم کا حصّہ اندر داخل کر دیتا اور اس کے دو دروازے کر دیتا کہ ایک سے لوگ داخل ہوں اور دوسرے سے باہر نکلیں اور دروازہ کو زمین سے ملا دیتا تیری قوم نے اس لئے اس کے دروازہ کو بلند کیا تاکہ جس کو وہ پسند کریں وہ داخل ہو سکے۔" چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کی خواہش مبارک کے مطابق حطیم کے حصّہ کو اندر داخل کیا اور دروازہ زمین کے برابر کر دیا۔ دوسرا دروازہ اُس کے مقابل دیوار میں قائم کر دیا تاکہ لوگ ایک دروازہ سے بآسانی داخل ہوں اور دوسرے سے نکل جائیں۔ اس تعمیر کے مکمل ہونے پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے شکرانہ کے طور پر ایک عظیم الشان دعوت کی جس میں سَو اُونٹ ذبح کئے۔ بیت اللہ شریف کی تعمیر نو ابراہیمی بنیادوں

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کی خواہشات کے عین مطابق مکمل ہو گئی مگر اِس حادثہ میں ایک عظیم نقصان یہ ہوا کہ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کے فدیہ میں جو جنّت سے آمدہ مینڈھا ذبح ہوا تھا اس کے سینگ اُس وقت سے کعبہ شریف میں محفوظ تھے وہ اِس حادثہ میں جل گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

کعبۃُ اللہ کی گیارھویں تعمیر

گیارھویں مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد اور ایک روایت ہے کہ انہیں پھانسی پر چڑھایا گیا اور ایک اور روایت ہے کہ ۷۳ھ میں جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ وَاللہُ اعلم بالصواب۔ عبدالملک بن مروان کے عہدِ حکومت میں حجاج بن یوسف نے بادشاہ کو بہکایا کہ ابنِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے کعبہ میں ردّو بدل کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کے زمانہ کے مطابق تعمیر نہیں رہی۔ بادشاہ نے حجاج بن یوسف کو اجازت دے دی کہ کعبہ شریف کو قریش کی تعمیر کے مطابق کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ ایک لشکرِ جرار لے کر حملہ آور ہوا۔ حضرت عبداللہ بن

زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ شہید ہوئے یا پھانسی چڑھائے گئے۔ اگر پھانسی بھی چڑھائے گئے تسلیم کر لیا جائے تب بھی رتبہ شہادت ہی نصیب ہوا۔ حجاج بن یوسف نے فتح یاب ہونے کے بعد مغربی دروازہ بند کر دیا۔ مشرقی دروازہ اونچا کر دیا اور حطیم کا حصہ باہر نکال دیا۔ اندر کے حصہ میں بھرتی ڈال کر اونچا کر دیا یعنی بالکل قریش کی طرز پر تعمیر میں تغیر کر دیا۔

بیت اللہ شریف اب تک اسی حال پر ہے بعد کی تعمیریں مرمتیں کہلائی جا سکتی ہے مستقل تعمیریں نہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اب تک جو تعمیر ہے اس میں تین دیواریں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی تعمیر شدہ ہیں اور چوتھی حطیم کی جانب دیوار حجاج بن یوسف کی تعمیر کردہ ہے۔ یہی قرین قیاس ہے کیونکہ حطیم کو باہر نکالنے کے لئے صرف ایک دیوار گرا کر دوبارہ تعمیر کی ضرورت تھی۔ مغربی دروازہ بند کرنے کے لئے بھی تمام دیوار گرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ حج کے دنوں میں جب غلاف مبارک تبدیل کیا گیا اور کعبۃ اللہ کو احرام پہنایا گیا تو ان گناہگار آنکھوں نے بچشم بینا مغربی دروازہ کے بند کئے جانے کے آثار دیکھے۔

خلیفہ ہارون الرشید نے ارادہ کیا کہ کعبہ شریف کو حضرت عبداللہ

بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کی تعمیر کے مطابق کر دیا جائے کیونکہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلّم کی منشار کے عین مطابق تھی۔ مگر حضرت امام مالک علیہ الرحمتہ نے سختی سے منع فرما دیا کہ کعبہ کی تعمیر کو بادشاہوں کا کھیل نہیں بننے دینا چاہیئے۔

بَیتُ اللہ کی بارھویں تعمیر

بارھویں مرتبہ سنہ ۹۶۰ھ میں سلطان سلیمان احمد کے مرمت کروانے کا ذکر آتا ہے۔

بَیتُ اللہ کی تیرھویں تعمیر

تیرھویں مرتبہ سنہ ۱۰۲۱ھ میں سلطان احمد ترکی سلطان محمدؒ نے چھت بدلوائی اور بوسیدہ دیواروں کی مرمت کرائی۔ میزاب الرحمتہ کو بھی درست کروایا۔ یہ بھی پوری تعمیر کی تجدید نہیں بلکہ اصلاح اور مرمت ہی کا درجہ رکھتی ہے۔

باب ششم

بیت اللہ شریف کی چودھویں تعمیر

۱۰۳۹ھ میں سلطان مراد عثمان کے زمانہ میں بہت زور کا سیلاب یا جس کی وجہ سے بیت اللہ شریف کی بعض دیواریں گر گئیں تو سلطان صوف نے ان کی تعمیر کرائی۔ اغلب یہ ہے کہ جو حصہ گر گیا تھا اس تعمیر ہوئی۔ اس لئے بعض مؤرخین اس کو بھی صرف ترمیم و اصلاح ہی دانتے ہیں۔ بعض تعمیر جدید کے بھی قائل ہیں۔ مگر صرف دروازہ انب مغرب بند کئے جانے کے آثار سے ثابت ہے کہ تعمیر جدید یں ہوئی بلکہ ترمیم و اصلاح ہی ہوئی ہے واللہ اعلم بالصواب

رت شاہ عبدالعزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ بیت اللہ شریف سود کی جانب سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ میر شدہ ہے اور باقی اطراف سلطان مراد عثمان کی تعمیر ہے۔

بیت اللہ شریف کی پندرھویں تعمیر

۱۳۶۷ھ میں حضرت سلطان ابن سعود نے اس کے دروازہ کے کواڑوں اور چوکھٹ کی تجدید کی۔

اور

آج کل خادمِ کعبہ شاہ فیصل ہیں۔ یہ اربوں ریال مسجد الحرام کی توسیع و زیبائش پر صرف کر رہے ہیں۔ مسجد الحرام بھی چونکہ متعلقاتِ کعبہ کے ضمن میں صفِ اول میں شمار ہے اس لئے ہم تھوڑا سا بیان اس کا بھی کرنا سعادت سمجھتے ہیں۔ سو عرض ہے کہ وہ تمام جگہ جو خانہ کعبہ کے گرداگرد خواہ مسقف ہے یا کھلا صحن مسجد الحرام کہلاتی ہے۔ گنبدوں کی چھت والے برآمدے ترکوں کی تعمیر ہے۔ اس سے باہر چاروں طرف شاہ ابن سعود والیٔ حجاز نے توسیع کا وہ عظیم الشان پروگرام بنایا اور شروع کر دیا جو آج تک جاری ہے تین منزلہ وسیع و عریض بلڈنگ جدید طرزِ تعمیر کا ایک لاثانی شاہکار ہے جس میں اندازہ ہے کہ پچیس لاکھ افراد کے باجماعت سربسجود ہونے کی گنجائش ہے۔ صفا تا مروہ دو منزلہ مسقف ہے۔ سات سربفلک مینار ہیں۔ ویسے تو چپہ چپہ جگہ قابلِ صد

ستائش ہے۔ مگر خاص کر باب سعود کے نظارہ سے عقلِ انسانی ورطۂ حیرت میں گم ہو جاتی ہے۔ شاہ فیصل نے دل کھول کر روپیہ خرچ کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ ایک پروگرام کی تکمیل ہوتی ہے تو دوسرا شروع کر دیا جاتا ہے۔ خدائے عزّوجل شاہ موصوف کو جزائے خیر دے

تمام صحن اور برآمدوں میں لاؤڈ سپیکر اس کارگیری سے نصب کئے ہیں کہ گوشہ گوشہ میں آواز پہنچتی ہے۔ روشنی کا انتظام ایسا ہے کہ بلاشبہ اور بلا مبالغہ رات کو دن کا گمان ہوتا ہے۔ ان انتظامات کی کماحقہٗ تعریف ہمارے بس کی بات نہیں اور نہ ہی قلم میں طاقت ہے کہ اللہ جل شانہٗ کے گھر کی شان و شوکت کے اظہار کا حق ادا کر سکے۔

* * *

باب ہفتم

موجودہ خانہ کعبہ معہ متعلقات

پیمانہ رائج الوقت کے مطابق خانہ کعبہ کی پیمائش رجب ۱۳۶۳ھ مطابق جون ۱۹۴۳ء میں حسب ذیل تھی۔ اس کے بعد تعمیر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

	فٹ	انچ
بلندی زمین سے چھت تک	۴۹	۲
زمین سے درِ کعبہ کی بلندی	۷	۶½
درِ کعبہ کا طول	۶	۶½
بلندی خانہ کعبہ کی اندرونی سطح سے چھت تک	۴۲	۷½
طول مشرق (حجر اسود تا رکنِ شامی)	۳۸	—

	فٹ	انچ
عرض شمال (رکنِ شامی تا رکنِ غربی)	۳۳	۶ ۱/۲
طول مغرب (رکنِ غربی تا رکنِ یمانی)	۳۹	۳
عرض جنوب (رکنِ یمانی یا حجرِ اسود)	۳۳	—
حجرِ اسود کی زمین سے بلندی	۵	—

موجودہ نقشہ مندرجہ بالا پیمائشوں کے مطابق تیار کیا گیا ہے اس میں دیئے گئے اکثر مقامات کی تفصیل پچھلے صفحات میں آچکی ہے باقی ماندہ مقامات کا کچھ ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے ۔

ملتزم درِ کعبہ اور حجرِ اسود کے درمیان دیوار کے حصّہ کو ملتزم کہتے ہیں ۔ دُعا کی قبولیّت کے مقامات میں سے ایک مقام ہے ۔ "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم سے نقل کرتے ہیں کہ ملتزم ایسی جگہ ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے کسی بندہ نے وہاں ایسی دعا نہیں کی جو قبول نہ ہوئی ہو"

ملتزم کے معنی چمٹنے کی جگہ کے ہیں ۔ یہاں پر سینہ اور چہرہ اور دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر دیوار سے چمٹا دیا جاتا ہے اور دعائیں انگی جاتی ہیں ۔

نقشہ کعبہ شریف معہ متعلقات

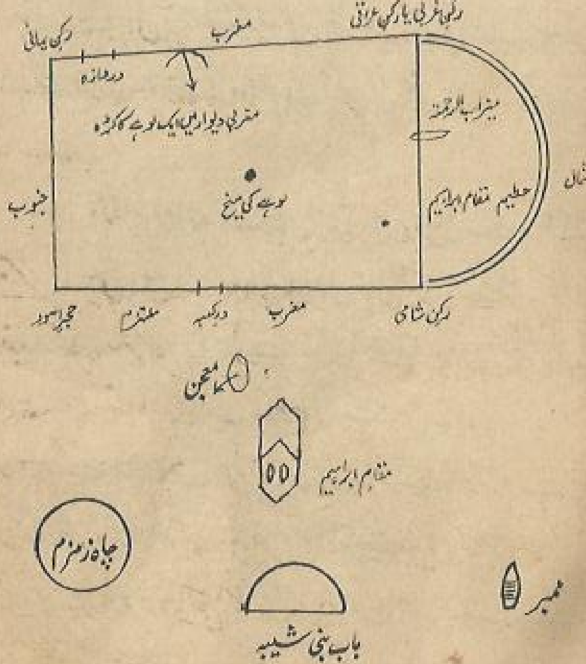
رکنِ یمانی
مغرب
رکنِ غربی یا رکنِ عراقی
دروازہ
مغربی دیوار میں ایک لوہے کا کڑہ
میزاب الرحمۃ
لوہے کی میخ
حطیم مقام ابراہیم
شمال
جنوب
حجرِ اسود
ملتزم
درِ کعبہ
مغرب
رکنِ شامی
معجن
مقام ابراہیم
چاہ زمزم
ممبر
باب بنی شیبہ

معجن باب کعبہ کے نیچے ایک گڑھا سا تھا ۔ اس کو مصلیٰ جبرائیل بھی کہتے ہیں ۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو پہلی مرتبہ نماز پڑھائی تھی ۔ اب گڑھا موجود نہیں ہے ۔ فرش برابر کر دیا ہے ۔ مکہ مکرمہ کے ایک پاکستانی باشندے سے روایت ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر نماز کے دوران اونٹ کی اوجھری رکھی گئی تھی اللہ ہی بہتر جانتا ہے ۔

ممبر مقامِ ابراہیم کے شمال مشرق میں واقع ہے ۔ سنہ ۹۹۴ھ میں اس کو سلطان سلیمان خان عثمانی نے تعمیر کروایا تھا ۔ سفید سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے ۔ تین نشستیں ہیں ۳۳ تینتیس فٹ اونچی چھت سونے اور چاندی کے پانی سے منقش ہے ۔

- خانہ کعبہ کے اندر مغربی دیوار میں ایک لوہے کا کڑہ ہے جس کو جاہل لوگ عروۃ الوثقیٰ کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو اس کو پکڑ لے اس نے عروۃ الوثقیٰ کو پکڑ لیا ۔ یہ محض جہالت ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ۔
- خانہ کعبہ کے اندر درمیان میں ایک لوہے کی میخ ہے ۔ جس کو

احمق لوگ سرۃ الدنیا (دنیا کی ناف) کہتے ہیں اور اپنی ناف کو اس پر رگڑتے ہیں ۔ یہ بھی محض لغو ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ۔

بحمد اللہ ! یہ کتابچہ آج مورخہ ۲۸ ؍ فروری سنہ ۱۹۷۴ء ، مطابق ۶ ؍ صفر سنہ ۱۳۹۴ھ بروز جمعرات تکمیل پذیر ہوا ۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ یہ ناکارہ گناہ گار کسی مبارک وقت میں یاد آ جائے تو دعا سے مدد فرما دیں ۔

محمد نصیر عفی عنہٗ

ختم شد